آتشِ زیر پا

سمیرا حمید

آسائشِ زر

سمیرا حمید

سفید روغن سے سجی یہ خوش باش گھرانے کے مکینوں کی پُرآسائش عمارت ہے...... آسمان کی طرف کو اٹھی ہوئی عمارت...... جسے ابنِ آدم گھر کہتا ہے......زمین کی سطح پر بنی یہ عمارت جس کے لیے یہی ابنِ آدم بہت کچھ کرتا ہے، اس عمارت میں رہنے والے مسرور و شاداں ہیں، شاداب اور بامراد ہیں اتنا کہ کبھی اس کے لکڑی کے فرش اور قیمتی قالینوں پر آہ وملال کے آنسو تک نہیں گرے...... کھڑکیوں،

دروازوں کی چوکھٹوں پر کوئی اداسی لیے دل پکڑ کر کھڑا نہیں ہوا...... مگر پھر کیوں انتہائے مرج (تباہی) ہے......؟

اس گھر کے داخلی دروازے کے باہر ہری بھری گھاس کی کئی روشیں ہیں جو اتنی سرسبز اور تازہ ہیں کہ آنکھوں میں مستی سی بھر دیتی ہیں ایسے گھروں کے باہر اُگی مستی بھری گھاس کہ ہاتھ پھیرنے سے گھاس کی تازگی پر فرق آسکتا تھا' یہاں ہر ہفتے کی رات بہت بڑی ضیافت کا اہتمام کیا جاتا ہے اور دوستوں' احبابوں کی پُرتکلف ضیافت کی جاتی ہے۔ لوگ ان کے سلیقے، طریقے اور انواع واقسام کی نعمتوں سے بھرے خوانوں کے بہت بڑے مداح ہیں۔ اس گھر میں اجمل جلیل کا خاندان آباد ہے...... صاعقہ بنتِ رحیم کا خاندان......

اجمل تہ خانے کی سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا یہ حصہ شاید گھر کا قیمتی ترین حصہ ہے...... مختلف النوع قیمتی چیزوں کے حوالے سے ایک کونے میں لکڑی کی ایک خوب صورت الماری ہے جو اجمل جلیل کے من پسند مشروبات سے بھری پڑی ہے اور ہر وقت مقفل رہتی ہے۔ اس نے ابھی الماری کا لاک کھولا ہی تھا کہ دوسرے کونے سے کُھد بد کی آوازیں آئیں پھر کسی ذی روح کا سر بھی نظر آ گیا۔

''چپکے، چپکے کیا نکال رہے ہیں گرینڈ پا......؟''

''تم پھر سے یہاں آئیں...... اوپر تمہاری ماما تمہیں ڈھونڈ رہی ہیں۔''

''لیکن میں تو کھیل رہی تھی۔'' وہ مسکرائی۔

''چلو اب جاؤ...... سب تیار ہو چکے ہیں ورنہ وہ تمہیں یہیں چھوڑ جائیں گے۔''

''آپ نہیں جا رہے ناں...... میں آپ کے پاس رہ لیتی ہوں۔''

''میں کل جاؤں گا...... ابھی تم جاؤ ورنہ سب چلے جائیں گے...... اور شادی میں خوب مزے کریں گے...... تم پھر روؤ گی......''

''اچھا...... میں روؤں گی...'' ننھی سارہ سوچنے لگی۔

''دیکھو وہ سب گاڑی میں بیٹھ رہے ہیں...... تمہیں چھوڑ کر جا رہے ہیں، جاؤ جلدی کرو۔'' وہ فوراً ڈر کر اپنا سرخ لہنگا اور چھوٹا سا دوپٹا سنبھالتے ہوئے اوپر کی طرف لپکی۔

''آپ اکیلے گھر میں کیا کریں گے آپ کو ڈر نہیں لگے گا پھر آپ بھی روئیں گے گرینڈ پا......'' وہ جانے سے پہلے پلٹ کر گرینڈ پا کو ڈرانے لگی۔

''میں نہیں ڈرتا ورتا...... روتا دھوتا...... میں تو مووی دیکھوں گا۔''

''اچھا...... کون سی مووی......؟'' وہ اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے پھر بولا۔

''سب گاڑی میں بیٹھ چکے ہیں، جاؤ جلدی......'' اور نتیجتاً وہ بھاگ گئی تھی۔ بھاگنے سے پہلے وہ جس کونے سے نکلی تھی اس پر دوبارہ نظر ڈالنا نہیں بھولی تھی۔ وہ کونا ایک بیکار سے لکڑی کے کاؤچ کے پیچھے تھا۔ اجمل جلیل نے اپنے پسندیدہ آبِ ممنوع کی بوتل نکالی ہی تھی کہ سارہ پھر سے آ گئی۔

''سارہ......'' اس نے لہجے کو قدرے سخت کیا اور گھور کر اسے دیکھا تو وہ ڈر کر اور کچھ خفا سی ہو کر وہاں سے چلی گئی اور جاتے، جاتے دروازے کو باہر سے مقفل کر گئی۔ اجمل جلیل ہنس دیا تھا۔

سارہ کی عادت تھی کئی بار وہ اپنے دو سالہ بھائی فرقان کو اوپر اپنے کمرے کی الماری میں مقفل کر چکی تھی اور اجمل جلیل کو یہاں اس تہ خانے میں تو بہت ہی بار...... ایک چابی یہیں الماری میں رکھی ہوئی تھی اور اسے اس سلسلے میں کوئی پریشانی نہیں تھی۔ وہ اطمینان سے اپنا مشروب گلاس میں انڈیلنے لگا جب سے صاعقہ حج کر کے آئی تھی وہ ان مشروبات کو اوپر گھر میں کہیں بھی جگہ دینے کے لیے تیار نہیں تھی، پہلے کی بات اور تھی اب وہ حج کر آئی تھی...... حلال،

حرام میں تمیز کرنے لگی تھی...... پانچ میں سے ایک دو وقت صلوٰۃ بھی ادا کرنے لگی تھی اور کبھی کبھار کلام پاک بھی پڑھ لیا کرتی تھی۔ اس سب سے پہلے یہ سارے مشروبات ان کے بیڈ روم میں تھے کچھ ہی دیر میں وہ سب تیار ہو کر تقریب میں جانے کے لیے روانہ بھی ہو جائیں گے اور خالی گھر میں وہ آزادی سے اوپر اپنی نشست گاہ میں کوئی تھرلنگ مووی...... دیکھتے ہوئے پی سکتا تھا۔

ایک پیگ پی چکنے کے بعد اس نے اٹھ کر الماری میں سے چابی نکالنی چاہی لیکن چابی وہاں نہیں تھی...... اس نے ایک، ایک کر کے ایک' ایک بوتل کو اٹھا کر چابی کو ڈھونڈنا چاہا لیکن ناکام رہا، اِدھر اُدھر بھی دیکھا کہ شاید کہیں آگے پیچھے، اوپر، نیچے ہو لیکن وہ نہیں تھی وہ دروازے تک گیا اس نے دروازہ بجایا...... ہینڈل گھمایا لیکن گھر والے جا چکے تھے اور دروازہ مکمل مقفل ہو چکا تھا۔

اس کی بہو کی بہن کی آج مہندی تھی...... چار پانچ گھنٹے سے پہلے شاید ہی کوئی واپس آتا اس کا موبائل بھی اوپر اس کے کمرے میں تھا...... وہ سارہ کو گالی دیتے، دیتے رہ گیا۔ بس ایک زور دار مُکّا دروازے پر دے مارا...... ایک بار پھر سے چابی تلاش کرنی چاہی لیکن وہ نہیں ملی...... ناچار گلاس مزید بھر کر بیٹھ گیا...... تہ خانے میں کافی الم غلم بکھرا پڑا تھا زیادہ تر کتابیں تھیں جو اس کی شادی شدہ بیٹی کی تھیں اور جو وہ اپنے ساتھ اپنے گھر نہیں لے کر جا سکتی تھی...... کچھ لکڑی کا پرانا اور بیکار فرنیچر...... پرانے اخبارات، رسالے' چیرٹی کی غرض سے نکالے گئے کپڑے، جوتے دیگر فالتو سامان...... وہ ایک کتاب کھول کر بیٹھ گیا اور گلاس سے چسکیاں لینے لگا اس سے تو اچھا تھا کہ وہ بھی شادی میں چلا جاتا...... اور اسے خود معلوم نہیں تھا کہ وہ گیا کیوں نہیں...... شام تک تو وہ خود بھی تیار تھا جانے کے لیے پھر ایک دم سے اس کا دل اچاٹ سا ہو گیا...... بلکہ کچھ ایسا ہوا تھا کہ اس نے دو تین بار اپنے سینے کو مسلا...... گھبراہٹ نامی کوئی چیز تھی جو اندر کہیں پھڑ پھڑا رہی تھی...... صاعقہ کو انکار کیا کہ وہ نہیں جا رہا اور ٹی وی دیکھنے لگا۔ وہ تیاری میں مصروف ہو گئی تو وہ نیچے چلا آیا تھا۔

کتاب کی ورق گردانی کرتے اسے کسی بدبو کا احساس ہوا...... یقیناً یہ جلنے کی بدبو تھی...... شاید آگ تھی...... قرب وجوار میں آگ کا ہونا ناممکن تھا لیکن سارہ کا سوچ کر وہ اچھل کر کھڑا ہوا...... سارہ کا پسندیدہ کھیل تھا آگ جلانا...... آگ لگانا...... وہ سب سے نظر بچا کر ایک یہی کام کرتی، ایک ہی کھیل کھیلتی...... کھلونوں کے صوفے...... پردے...... میز کرسیاں...... اخبارات کے ٹکڑے، گڑیوں کے کپڑے۔ اس نے ہر، ہر چیز کو آگ لگانے کی کوشش کی تھی حد یہ ہے کہ جب وہ ان چیزوں کو آگ لگائے اس خطرناک کھیل میں مصروف دکھائی دیتی تو پوچھنے پر سینہ تان کر کہتی۔

''میں تو صرف یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ یہ جلے گی تو کیسی لگے گی۔'' کیسی لگے گی کہ چکر میں وہ اپنے قیمتی کھلونے، فراکیں، کتابیں جلا چکی تھی، گھر کے افراد اس پر اب کڑی نظر رکھتے تھے پھر بھی وہ کہیں نہ کہیں اپنا کام دِکھا جاتی...... اور وہ یہاں اپنا کام دِکھا چکی تھی...... جس لکڑی کے کاؤچ کے پیچھے سے وہ برآمد ہوئی تھی اس کا پایہ آگ پکڑ چکا تھا۔ پائے کے پاس کپڑے کی کترنیں اور اخبار جلے پڑے تھے۔ اب آگ کاؤچ کے نیچے آس پاس بکھرے کاغذوں' لکڑی کے ڈبوں تک پھیل چکی تھی، کاؤچ کی پشت اتنی اونچی تھی کہ دوسرے کونے میں بیٹھے اسے نظر ہی نہیں آسکی۔

آگ کا پھیلاؤ دیکھ کر اب وہ حواس باختہ سا ہو گیا، وہ کتابوں، کپڑوں پر ایسے پھیل رہی تھی جیسے کنکر پھینکنے پر پانی میں لہریں پھیلا کرتی ہیں......

"ارے یہ آگ ایسے کیسے پھیل گئی ہے...... کیسے وجود پھیلائے رقص کناں ہے...... یہ یہاں وہاں کس کھیل میں ہے...... اور یہ آگ...... آگ کیسے بنی...... کس نے لگائی تھی پہلی آگ...... کیونکر...... بھڑکائی گئی یہ آتش...... ابنِ آدم نے ایسا راکھ کر دینے والا سودا کب اور کیسے کر لینا سیکھ لیا......؟"

اس نے آس پاس نظریں دوڑائیں...... اس جگہ موجود کس چیز سے وہ آگ کو بجھاتا؟ وہ موٹی، موٹی جلد والی کتابوں کو آگ پر پھینکنے لگا...... اور جلد آگ پکڑ لینے والے سامان کو اٹھا، اٹھا کر وہ دوسرے کونے میں لے جانے لگا اور اسی دوران اس کی کھلی بوتل اور بھرا ہوا گلاس میز سے زمین پر گرے اور آگ کی ایک لمبی لکیر بنتی چلی گئی لمحوں میں میز نے آگ پکڑ لی...... لمحوں میں ہی...... کیا اتنا کچھ ہو جاتا ہے......؟ آتش یوں بھڑکی جیسے جہنم کے نچلے درجے سے عہد لے کر آئی ہو...... کہ وہ یوں پھیلے گی یوں بھڑکے گی کہ آدمی کو انجام دِکھا ڈالے گی۔ اجمل جلیل ساکت وششدر تھا۔

"رک جاؤ اب تم...... اور تماشا دیکھو...... اب تم کچھ نہیں کر سکو گے۔"

"ہاں ابتدائے مرج...... ابتدائے مرج...... اب تو فقط دیکھ۔" اسے اپنے ضمیر کی صدا سنائی دی۔

"نار...... نار...... یہ ایسے کیسے......؟" خوف سے اس نے چلانا چاہا لیکن چلا نہیں سکا خود کو آگ سے محفوظ کرتے اس نے پھر دروازے کی چابی تلاش کرنا چاہی...... لپک کر دروازے کو زوردار دھکا مار کر گرانا چاہا...... لیکن باہر جانے کے لیے اب چابی کیوں ملتی...... دروازہ دھکے سے کیوں کھلتا...... دروازہ لکڑی کا ہی تھا...... اب تو وہ بھی جلے گا تو ہی کھلے گا...... اور وہ تب جلے گا جب اندر سب کچھ جل چکا ہوگا...... ہاں اس سمیت سب کچھ...... برآمدگی کا ایسا پھاٹک...... مقامِ فکر...... اجمل جلیل کی کنپٹیاں تپ کر پھیلنے سکڑنے لگیں...... اپنی بہن کی مہندی میں اس کی بہو ناچ رہی ہوگی...... بیوی اس ناچ پر تالیاں پیٹ رہی ہوگی...... بیٹا اپنی بیوی کی موؤی بنا رہا ہوگا...... بہو کو ناچتے، بیوی کو تالیاں بجاتے اور بیٹے کو موؤی بناتے خیال تک نہیں آئے گا کہ اس سفید پُرتعیش گھر کے تہ خانے میں کیا ہو رہا ہے...... ہری بھری گھاس کے پار بچھی سڑک پر سے بھولے بھٹکے گزرتے کسی کو گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ تماشا لگانے والا تماش بین بنا بیٹھا ہے۔ وہ امریکا کے مضافات میں اجمل ہاؤس بنائے اپنے تئیں بہت عیش و آرام سے شور و غل سے دور عیاشی کی زندگی گزار رہا تھا۔ اس نے پاگلوں کی طرح پرانے کمبلوں کو اٹھا کر آگ پر پھینکنا شروع کر دیا مگر وہ آگ اور بھڑکنے لگی...... شومئی قسمت تہ خانے میں پھیلی ہوئی آگ سے باہر کی دنیا بے خبر تھی، اس کی اتنی تپش تھی کہ اب ناقابلِ برداشت تھی۔

"اگر اس کے بدن کو چھو لے گی...... جب اس کے وجود میں پھیل جائے گی تو پھر کیا ہوگا......؟" اس تصور سے ہی اس نے ایک ہیبت ناک چیخ ماری...... کہ شاید ناچتی ہوئی بہو...... تالیاں پیٹتی بیوی سن سکے...... چیخ صرف اس کے اپنے کانوں نے سنی...... انہی کانوں نے وقفے، وقفے سے اور کئی چیخیں سنیں...... ایک چیخ ماضی کے پردے پھاڑ کر اس کی آنکھوں کے سامنے مجسم ناچنے لگی۔

☆☆☆

"وہ ابتدائے مرج تھی۔" ابتدا صرف اتنی تھی کہ اسے سب کچھ چاہیے تھا مگر محنت کے بغیر...... وہ کام کر کے لاکھوں جمع کرنے کے چکر میں نہیں تھا کہیں سے لاکھوں ہاتھ میں رکھ کر کاروبار کرنے کے چکر میں تھا...... اسے پیسے کی ضرورت تھی...... اور بہت زیادہ تھی...... وہ ایسا کچھ سہل پسند بھی نہیں تھا...... وہ خطرناک حد تک دماغ لڑا لیا کرتا تھا اور وہ اپنی صلاحیت کا خود ہی بہت بڑا مداح تھا۔ وہ

اجمل جلیل تھا۔ مبشرہ اس کی چچا زاد تھی اور وہ اپنے ساتھ شادی کے لیے اسے پرفیکٹ سمجھتا تھا۔ خوب صورت، پڑھی لکھی، کم بولنے اور کم سوچنے والی...... اس کی سب سے بڑی خوبی یہی تھی کہ وہ اس کے سامنے سوالیہ نشان کبھی نہیں بنتی تھی...... "بیٹھ جاؤ......" بیٹھ گئی...... "کھا لو......" کھا لیا...... "سو جاؤ...... مبشرہ......" "سو گئی مبشرہ...... وہ کیوں؟ کیا؟ کب؟ پوچھ کر وقت ضائع نہیں کرتی تھی...... بڑی بھلی مانس تھی مبشرہ......

اسے نرس بننے کا شوق تھا اور وہ بن بھی گئی تھی اسے اچھے سرکاری اسپتال میں نوکری بھی مل گئی تھی۔ وہیں ایک قابل سرجن ڈاکٹر تھے جن کا ایک اچھے علاقے میں اپنا ذاتی اسپتال بھی تھا۔ ان کے کہنے پر وہ سرکاری ملازمت چھوڑ کر ان کے اسپتال میں چلی گئی کچھ ہی عرصے میں وہ ہیڈ نرس ہو گئی تھی...... اپنی محنت اور سرجن صاحب کی حد درجہ مہربانی سے وہ مال دار بھی ہو گئی، جب اپنی ذاتی گاڑی میں بیٹھ کر وہ رشتے داروں میں جایا کرتی تو کسی بڑے اسپتال کی بڑی ڈاکٹرنی سے کم نہیں لگتی...... مزاجاً وہ سادہ لوح اور پُرخلوص تھی جبھی تو سرجن صاحب سے بے لوث محبت کرنے لگی تھی۔ ڈاکٹر کی مہربانیوں کے آگے وہ بچھ، بچھ جاتی...... اس کی سادگی کا فائدہ اس کی سہیلیاں اور کزنز بھی خوب اٹھاتیں اور لوگ اسے بڑی آسانی سے بے وقوف بنا جاتے تھے...... اس کی سہیلیاں اس سے اس کی چیزیں استعمال کے لیے مانگ کر لے جاتیں اور بعد ازاں آتے ہی کہہ دیتیں کہ فلاں بندے تو گم ہو گئے...... فلاں سینڈلز، بیگ، دوپٹا، گھڑی، انگوٹھی اور ایک بار تو اس کی سونے کی چین بھی، وہ بھی نہ پوچھتی...... کب...... کیسے، کہاں گم ہو گئیں یہ چیزیں مل کر نہیں دیں۔ یہی سہیلیاں اور خاندان کے دوسرے لوگ اس کی کارکنی، کئی دن لیے، لیے پھرتے...... تو ایسی بے چاری اور اللہ

لوک، سادہ لوح اور خوب صورت کماؤ لڑکی کو اجمل جلیل نے اپنے لیے پسند کیا تھا...... ہاں صرف اپنے لیے...... لیکن اس کے دل و دماغ پر تو سرجن کا راج تھا اس سے قطع نظر کہ وہ پہلے سے ہی شادی شدہ اور دو بچیوں کا باپ تھا۔

''تمہاری شادی اس سرجن سے نہیں ہوگی۔''

ابا نے سنا تو فوراً کہہ دیا۔ تو اس نے بھی پہلی بار سوالیہ بن کر ''کیوں......؟'' پوچھ ڈالا۔ اسے سرجن سے واقعی محبت تھی یہ ابا نے جان لیا تھا...... اماں نے جان لیا تھا، مبشرہ نے لفظ ''کیوں'' اتنی بار پوچھا کہ خاندان بھر نے جان لیا...... جلیل نے چچا، چچی کو جی جان لگا کر بھڑکایا...... ساتھ ہی تو گھر تھا...... وہ ہر وقت دونوں کو بھڑکاتا رہتا۔

''سرجن عیاش ہے...... ٹھرکی ہے...... پہلی بیوی سے چھپ کر شادی کر رہا ہے...... دو دن بعد ہی اسے چھوڑ دے گا...... اور...... اور...... یہ کار...... یہ نت نئے ملبوسات، زیورات یہ سب وہی اسے لے کر دیتا ہے مطلب یہ...'' صاف ظاہر تھا کہ وہ اس کے کردار پر انگلی اٹھا رہا تھا۔

نمازی و پرہیز گار باپ بھڑک اٹھا...... کار پر تیل چھڑک کر آگ لگانے دوڑا...... ملبوسات...... زیورات اٹھا، اٹھا کر باہر پھینکے...... مبشرہ اس رات بہت دیر روتی رہی...... وہ بار بار اپنی ماں کے پاس ایک ہی سوال لے کر جاتی رہی۔

''میں ان سے محبت کرتی ہوں...... ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں...... ان کے بغیر کیسے رہ لوں...... میری ان سے شادی کر دیں یا آپ مجھے ان سے شادی کی اجازت دے دیں۔''

اس کی شادی کی گئی نہ اسے اجازت دی گئی اور وہ خود ہی گھر سے چلی گئی...... اور سرجن سے شادی کر لی...... نکاح کے بعد وہ آئی تھی لیکن ابا نے اسے دھکے مار کر گھر سے نکال دیا...... زندگی میں پہلی بار وہ خود غرض ہوئی تھی، وہ بھی صرف اپنی محبت پانے کے لیے۔

اجمل کے لیے جیسے سارا کھیل ہی ختم ہو گیا...... اسے مبشرہ سے اتنی جرأت کی توقع ہرگز نہیں تھی...... مطلب صاف تھا کہ وہ واقعی سرجن پر مرمٹی تھی۔

اگر وہ چچا کو نہ اتنا بھڑکاتا تو چچا اسے اجازت دے ہی دیتے۔ یہی آغاز راہِ مرج تھا۔ سرجن اچھا خاصا امیر تھا۔ اب اجمل نے بازی پلٹنا چاہی تھی جبھی وہ چچا، چچی سے چھپ کر مبشرہ کے پاس آنے جانے لگا جس سے خاندان بھر قطع تعلق کر چکا تھا۔ ایک محبت وہ پا چکی تھی لیکن چھوڑے جانے والوں کے لیے وہ اب روتی تھی۔ اجمل اکثر اس کی دلجوئی کے بہانے آتا، اسے بہلائے رکھتا اور اسے تسلیاں دیتا رہتا۔

''یہ گھر کس کا ہے مبشرہ......؟'' ایک روز وہ پوچھ بیٹھا۔

''میرا ہے...... اجمل بھائی......''

''اچھا! تمہارے نام ہے...... گڈ...... یہ تو بہت اچھا ہوا۔''

''نام......؟ نام کا تو نہیں پتا اجمل بھائی......''

''تم چچا، چچی کو ڈاکٹر صاحب کے لیے چھوڑ بیٹھی ہو، کل کو ڈاکٹر صاحب نے تمہیں چھوڑ دیا تو تمہارے پاس کیا رہ جائے گا؟''

''وہ مجھے بھلا کیوں چھوڑیں گے؟'' وہ ہنسی اور دیر تک ہنستی رہی۔

''ان کی دو بیٹیاں ہیں، بڑی بھی ہوں گی تو اپنے پاپا کو بھڑکا سکتی ہیں اور ان کی پہلی بیوی بھی تو ہے۔'' اس نے نیا انداز اختیار کیا۔

''ہما اور مناہل ہفتے میں ایک دن میرے پاس رہ کر جاتی ہیں...... ہم خوب مزے کرتے ہیں...... ہاں آپا پہلے بہت ناراض تھیں پر اب تو ہم کبھی کبھار فون پر بات بھی کر لیتی ہیں...... سب ٹھیک ہو رہا ہے...... خرم کہتے ہیں اماں، ابا جان بھی مان جائیں گے آخر کب تک ناراض رہیں گے۔'' مبشرہ نے

اپنے تئیں تسلی دی۔

''بہت بھولی ہو تم مبشرہ...... آج تو ڈاکٹر خرم کی بیوی تم سے خوش ہے، ایک بیٹے کی ماں بن گئی تو دیکھنا اور وہ بھی ڈاکٹر خرم کو دکھانے کے لیے تم سے بات کر لیتی ہو گی کہ کب اُن کے سر سے تمہاری محبت کا بھوت اترے اور وہ تمہیں نکال باہر کریں...... اور چچا، چچی بھی یہی سمجھتے ہیں اسی لیے ناراض ہیں...... کہتے ہیں جی بھر گیا سرجن کا تو ہاتھ پکڑ کر باہر کرے گا، یہ پیسے والے ایسے ہی ہوتے ہیں...... ایسا کرو تم یہ گھر اپنے نام لکھوا لو چچا، چچی بھی مان جائیں گے کہ ہاں برابری کا درجہ دیا ہے تمہیں ڈاکٹر خرم نے......'' اجمل نے اپنی خباثت کے زیرِ اثر اسے نئی پٹی پڑھانی چاہی۔

''وہ مجھے بہت چاہتے ہیں...... برابری کیسی...... میں آپ کی بات سمجھی نہیں؟''

''چچا، چچی بھی تمہیں چاہتے ہیں...... تمہیں یاد کر کے روتے ہیں...... تم گھر اپنے نام لکھوا لو پھر میں ان سے کہوں گا کہ ڈاکٹر صاحب تمہاری بہت قدر کرتے ہیں۔''

''تو کیا اماں، ابا مان جائیں گے؟'' وہ تعجب سے بولی۔

''ہاں، کیوں نہیں...... خاندان والوں کو بھی معلوم ہو گا کہ کسی عام انسان سے شادی نہیں کی مبشرہ نے...... پر تم میرا ذکر نہ کرنا ڈاکٹر صاحب سے...... خود سے کہنا...... اگر اتنی محبت کرتے ہیں تم سے تو دو منٹ نہیں لگائیں گے اور گھر تمہارے نام کر دیں گے...... شادی تو اب تم نے کر ہی لی ہے۔ کچھ ماں، باپ کا بھی سوچ لو...... کیوں اپنی آخرت خراب کرتی ہو...... انہیں راضی رکھنا زیادہ ثواب ہے۔'' وہ چپ سی ہو گئی اور پھر رات گئے اجمل کا فون آیا۔

''اجمل بھائی میں نے ان سے بات کر لی ہے گھر کی...... وہ تھوڑے سے ناراض تو ہوئے...... کہنے لگے ارے اتنی بے اعتباری؛ وہ تھوڑے سے خفا ہیں...... میرا تو دم گھٹ رہا ہے۔ مجھے نہیں لکھوانا گھر اپنے نام......'' وہ ڈر گئی تھی۔

''تو بھول جاؤ اپنے اماں، ابا کو...... کیوں روتی ہو میرے سامنے کہ وہ تمہیں یاد آتے ہیں...... جنہوں نے پال پوس کر بڑا کیا ان کے لیے تو تمہارا دم نہیں گھٹتا...... ان کے لیے تو نہیں تڑپتیں......'' اس نے سسکی سی بھر کر فون بند کر دیا۔

☆☆☆

پھر چند مہینے لگے اور گھر مبشرہ کے نام ہو گیا۔

''اماں، ابا اب تو مجھ سے ملیں گے ناں......؟'' اس نے کاغذات اجمل کے آگے کیے۔

''ہاں کیوں نہیں...... تم یہ کاغذات مجھے دو...... میں چچا، چچی کو دکھا کر لاؤں......'' اور وہ کاغذات لے گیا لیکن چچا، چچی کو دکھانے نہیں چند دن بعد لا کر اس نے اسے کاغذات واپس کر دیے۔

''تھوڑا وقت لگے گا چچا کو منانے میں لیکن وہ مان جائیں گے۔''

''آپ نے کہا تھا گھر کا سن کر وہ...''

''ہاں کہا تھا...... مجھے کیا معلوم تھا چچا اتنے ضدی ہو جائیں گے۔''

''چلیں؛ میں خود ایک بار ان کے پاس جاتی ہوں۔''

''یہ غلطی نہ کرنا...... تھوڑا وقت دو انہیں...... ان کا غصہ اور ٹھنڈا ہو جانے دو...... ایسے تو بات اور بگڑ جائے گی۔''

''جی...... ٹھیک ہے اجمل بھائی......''

وہ حالات مزید ٹھیک ہونے کا انتظار کرتی رہی اور ایک دن کچھ زیادہ ہی ٹھیک ہو گیا سب کچھ......

☆☆☆

کھانستے، کھانستے اس کے پھیپھڑے باہر آنے

لگے تھے وہ سیکڑوں بار دروازے پر کے برسا آیا تھا ٹھڈے مار آیا تھا۔ لکڑی کے زینے کے آگ پکڑنے کی دیر تھی اب...... اس نے چند پرانے کوٹوں کو اپنے اوپر چڑھالیا تاکہ اس کی کھال کو آگ لگنے میں دیر لگے...... مدد، مدد چلاتا اس نے بند کردیا تھا...... وہ لکڑی کے زینے کے آخری کنارے پر بیٹھا تھا...... اس دروازے کے پاس جس کے راستے وہ خود اندر آیا تھا۔

وہ آگ کو دیکھ رہا تھا جسے سارہ نامی گوٹ کے ہاتھوں قدرت نے بھڑکایا تھا...... شرارے بھڑک، بھڑک کر پورے جوبن پر تھے...... اللہ جانے ملک کے کس کونے میں اس کا گھر تھا کہ جدید ترین امدادی سہولیات اس تک نہ پہنچ پائیں ورنہ تو وہاں ہانڈی بھی جل جانے پر الارم بج اٹھتے ہیں۔ تہ خانے کی بیشتر چیزیں جل چکی تھیں...... وہاں جو کچھ رکھا گیا تھا وہ سب کا سب آگ کی ہی خوراک تھا، کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں تھی جو آگ کو بجھا سکتی...... وہاں...... نیکی...... ترس...... رحم...... خوف...... اور توبہ...... کچھ بھی تو نہیں تھا...... وہاں تو سب ”گ“ تھا...... گ سے تھ تو صرف گناہ وہ بھی ایک نہیں ڈھیروں گناہ، چنگاریاں اڑ، اڑ کر اس کے سر، ہاتھوں پر گرنے لگیں...... اس نے ایک دل خراش چیخ ماری۔

☆☆☆

”اجمل بھائی......“ مبشرہ کی گھٹی گھٹی چیخ نکلی۔ ”جلدی آجائیں...... خدا کے لیے آجائیں...... مجھے بچالیں...... بھائی جان...... جلدی آجائیں......“

”کیا ہے مبشرہ......؟“

”بھائی جان آپ آجائیں...... یہ مجھے گھر سے نکال رہے ہیں۔“ جب وہ وہاں پہنچا تو ڈرائنگ روم میں چند اجنبی افراد بیٹھے تھے اور مبشرہ اور ڈاکٹر خرم لاؤنج میں تھے...... مبشرہ بری طرح سسک رہی تھی۔

”اپنے دو ملازموں کو گواہ بنا کر میں نے اسے ایک طلاق دے دی ہے، اجمل صاحب...... کاغذی طلاق بھی بھجوادوں گا......“

”آپ نے اتنا بڑا فیصلہ ایسے کیسے......؟“ بظاہر وہ حیران نظر آنے لگا۔

”بڑا فیصلہ......؟ نہیں...... اپنی بہن سے پوچھیں...... اس نے کتنا بڑا دھوکا دیا...... کیا الو کا...... سمجھ رکھا تھا مجھے......؟“

”بھائی جان میری بات سنیں......“ مبشرہ لپک کر اجمل کے قریب آکر بیٹھ گئی...... خرم اٹھ کھڑا ہوا اور اپنا بریف کیس اٹھالیا۔

”خرم آپ کہاں جارہے ہیں...... میری بات تو سنیں......“ مبشرہ تڑپ اٹھی...... اور اس کا بازو تھام لیا۔

”دور رہ مجھ سے بدذات عورت...... مجھے ہاتھ...... مت لگا (گالی) بند کر اپنا یہ ڈراما......“

”ڈاکٹر صاحب بیٹھ کر بات تو کریں......“

”بات صرف اتنی سی ہے اجمل صاحب کہ میڈم مبشرہ نے یہ گھر اپنے کسی یار کے نام لگادیا ہے اور وہ یہ گھر ان لوگوں کو بیچ بیٹھا ہے جو ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں...... وہ گھر کا قبضہ لینے آئے ہیں...... ان کے پاس پکے کاغذات ہیں...... آپ خود جاکر دیکھ لیں...... اس عورت کو یہی سب کچھ چاہیے تھا مجھ سے...... جانتا ہوں کس کے لیے کیا ہے اس نے یہ سب...... کئی بار اسے گھر کے آس پاس منڈلاتے دیکھ چکا ہوں...... میں نے اپنی صابر بیوی کا صبر سمیٹا ہے...... اصل میں اسے مجھ سے دولت چاہیے تھی...... ابھی تو بہت کچھ پھر بھی بچ گیا...... ورنہ تو یہ مجھے کنگال کرکے جاتی...... اب سمجھ آئی کہ یہ بھاگ، بھاگ کر کیوں میرے پیچھے آتی تھی...... مجھے اپنے جال میں پھنسایا......“

”میں آپ سے محبت......“ مبشرہ کا جملہ منہ ہی منہ میں رہ گیا۔

”ہونہہ، محبت یا ڈھونگ......!“ خرم دہاڑا تھا

مبشرہ جھٹ اس کے قدموں میں گرگئی۔

”مجھے مار ڈالیں، میرے ساتھ یہ سب نہ کریں...... میں نے کچھ نہیں کیا...... پتا نہیں یہ کیا ہورہا ہے۔“ خرم نے اسے ایک ٹھوکر ماری۔

”تیرے کرتوت سامنے آئے ہیں ذلیل عورت...... جا ایک کروڑ کی اس کوٹھی پر خوش ہوجا...... میں تجھ پر تھوکنا بھی بے غیرتی سمجھتا ہوں......“ وہ سخت طیش میں تھا۔

”خرم یہ سب جھوٹ ہے...... یہ دیکھیں......“ وہ لپک کر سامنے رکھی الماری کی طرف بڑھی جس میں سب سے اوپر قرآن پاک رکھا ہوا تھا۔ وہ جلدی سے قرآن پاک کو اٹھا کر اسے چومتی واپس ان کے پاس آئی۔

”یہ دیکھیں، میں اس پاک کلام پر ہاتھ رکھتی ہوں...... میں نے کچھ نہیں کیا یہ سب لوگ جھوٹ بول رہے ہیں...... معلوم نہیں انہیں کیا غلط فہمی ہوئی ہے۔“

”وہ جھوٹ بول رہے ہیں یا تو......؟ بتا تو کسی جاوید کو نہیں جانتی......؟“

”ہاں...... ہاں میں کسی جاوید کو نہیں جانتی آپ کی قسم......“

”میری قسم نہیں کھا...... یہ گھر جاوید کے نام کس نے کیا......؟ کیسے کیا......؟ کاغذات کہاں ہیں گھر کے......؟“

”میں کہہ رہی ہوں میں جاوید کو نہیں جانتی...... میں نے اپنے کمرے کی الماری کے سیف میں رکھے تھے وہ کاغذات...... ابھی لاکر دیتی ہوں۔“ وہ قرآن پاک واپس رکھ کر پلٹی۔

”وہ وہاں ہوں گے تو ملیں گے ناں...... بس آج سے تم مجھ پر حرام ہو...... اسی لیے تم نے گھر اپنے نام کروایا تھا...... بدکردار عورت......“

”خرم پلیز......“ مبشرہ کی چیخ نکلی اور وہ خرم کے پیروں سے لپٹ گئی، خرم نے اسے زور سے جھٹک کر خود سے دور کیا۔

مبشرہ کی چیخوں سے ایک کروڑ کی کوٹھی گونجنے لگی...... وہ پاگلوں کی طرح خرم کے قدموں میں جھکی آہ وفغاں کررہی تھی اور خرم اسے خود سے الگ کررہا تھا۔ یکا یک اس نے زوردار تھپڑ مبشرہ کے گال پر مارا...... اور چیخ کر بولا۔ ”بند کر واب یہ ڈراما......“ مبشرہ غش کھا کر وہیں فرش پر ڈھیر ہوگئی۔

دراصل اجمل گھر کے اصل کاغذات کی نقل بنوا کر مبشرہ کو دے گیا تھا اور بعدازاں وہ نقلی کاغذات بھی مبشرہ سے کسی بہانے نکلوا لیے تھے...... یہ سب کچھ اجمل جلیل کا کیا دھرا تھا اس نے سادہ لوح مبشرہ کو اچھی طرح لوٹا تھا اور کسی کو شک بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ اجمل جلیل خود تو پیچھے رہا اور سامنے انہی کاموں کے عادی فراڈی آدمی کو رکھا۔ یوں دھوکا دہی سے وہ مبشرہ کا گھر برباد کرنے اور اس کی کوٹھی بھی ہتھیانے میں کامیاب رہا۔

جس وقت اجمل، مبشرہ کو ٹیکسی میں لیے گھر آیا، اس کی چیخوں سے محلے والے اپنے، اپنے گھروں سے باہر نکل آئے...... وہ اجمل کے قابو میں نہیں آرہی تھی...... جو لوگ اسے مرضی کی شادی کرنے پر لعن طعن کیا کرتے تھے وہ اب اسے دیکھ کر ترس کھا رہے تھے۔ اس کے گھر کے آنگن میں آس پاس والے سب جمع ہوگئے۔ ماں، باپ جو روٹھے بیٹھے تھے وہ تڑپ، تڑپ کر اسے سنبھالنے کی کوششیں کررہے تھے۔

”ڈاکٹر صاحب نے اسے گھر سے باہر نکال دیا ہے۔“ اجمل نے سب کے درمیان کھڑے ہوکر کہا۔

خاندان بھر جس بات کی پیش گوئی کیے بیٹھا تھا وہ آج سچ ثابت ہوئی تھی۔ کبھی وہ اپنی ماں کے تو کبھی باپ کے پیروں میں گرجاتی اور رو رو کر کہتی۔

”مجھے خرم کے پاس لے جائیں ابا جی...... انہیں بلوادیں...... وہ مجھے آکر لے جائیں......“

مبشرہ آنگن میں لوٹ پوٹ ہورہی تھی......

اسے بے ہوشی کا انجکشن لگوایا گیا...... خاندان بھر کو اس نے بتادیا کہ ڈاکٹر صاحب، مبشرہ پر الزام لگا رہے ہیں کہ اس نے گھر اپنے کسی یار کے ساتھ مل کر ہتھیایا ہے...... غیرت مند چچا اس الزام پر اپنا دل پکڑ کر رہ گئے۔

"ارے گھر سے نکال باہر کرتا مگر یہ الزام تو نہ لگاتا...... اے کاش...... میری بچی تو اس کے ساتھ کب سے کام کر رہی تھی اس نے کبھی شک نہیں کیا مگر اب اسے کیا ہوگیا تھا۔" بیٹی کی حالت دیکھ کر چچا الگ ہلکان ہوئے جا رہے تھے۔ پورے آٹھ گھنٹے بعد وہ اٹھی تو پھر سے وہی حالت ہوگئی کہ گھر کا آنگن پڑوسیوں سے بھر گیا...... محلے کی وہ چھوٹی بچیاں جو مبشرہ کو سفید براق یونیفارم میں ملبوس کار میں بیٹھتے دیکھتیں تو اپنی ماؤں سے ضد کرتیں...... میں تو بڑے ہو کر نرس بنوں گی...... اب وہی بچیاں آنگن میں کھڑی اپنی ماؤں کے پیچھے چھپی صرف اس کی چیخیں سن رہی تھیں...... اب انہیں مبشرہ جیسی نرس نہیں بننا تھا۔

اگلے ہی دن انہیں طلاق کے کاغذات مل گئے تھے...... مبشرہ کو کئی دن انجکشن لگا کر سلانا پڑا...... جب بھی کچھ ہوش میں آتی بس ڈاکٹر صاحب، ڈاکٹر صاحب کی رٹ لگاتی۔ ماں، باپ، چھوٹی بہن سب کے لیے وہ سوالیہ نشان بنی ہوئی تھی۔ حقیقتاً اس کے باپ کو اس دن خبر ہوئی کہ ان کی بیٹی نے ان کی مرضی کے خلاف اس شخص سے کیوں شادی کی تھی...... اس لیے کہ وہ ڈاکٹر خرم کو بہت چاہتی تھی...... اس نے لالچ میں نہیں بلکہ عشق کی انتہا تک انہیں چاہا تھا۔ کچھ دن بعد وہ خاندان کے چند بڑے بزرگ لے کر ڈاکٹر صاحب کے اسپتال بات چیت کرنے گئے...... لیکن صد افسوس کہ ڈاکٹر صاحب ملک سے باہر جا چکے تھے...... اس خبر کے بعد وہ مکمل طور پر ذہنی مفلوج ہوگئی...... پہلے پہل تو اجمل کا خیال یہی تھا کہ نیا، نیا صدمہ ملا ہے، ٹھیک ہو جائے گی پھر وہ اس سے شادی کرلے گا گھر کی رقم تو اس نے ہتھیا ہی لی تھی مگر شادی کا خیال ایک خواب بن کر رہ گیا...... وہ ہر وقت بڑبڑاتی رہتی...... "وہ مجھے جان سے مار ڈالتا...... پر ایسے تو نہ پل، پل مارتا...... وہ مجھے ایک دفعہ ہی مار ڈالتا......"

اجمل نے مبشرہ کی چھوٹی بہن صاعقہ سے شادی کرلی۔ یہاں بھی اس نے دماغ لڑایا اور چچا، چچی کو راضی کیا کہ گھر صاعقہ کے نام کردیں...... کہیں ڈاکٹر خرم کوئی انتقامی کارروائی نہ کر ڈالے اور مبشرہ تو اس قابل نہیں تھی کہ جائیداد سنبھالتی۔ صاعقہ شکل صورت کی پیاری ضرور تھی لیکن مبشرہ جیسی خوب صورت نہیں تھی پر گھر کی مالکہ ضرور تھی۔ اجمل ایک کروڑ کی کوٹھی میں سے اپنا حصہ وصول کر کے اور کچھ چچا، چچی سے لے کر صاعقہ کے ہمراہ امریکا آیا اور یہاں اپنا دماغ لگا کر اسٹورز کی چین کھول لی۔ وہ اپنے تئیں بہت مطمئن زندگی بسر کر رہا تھا۔

☆☆☆

تن پتلا ہے خاک کا اسے دیکھ مت بھول
ایک دن ایسا ہووے گا ملے دھول میں دھول

وہ اب پورا زور لگا کر چیخ رہا تھا۔ اب وہ صرف یہی کرسکتا تھا...... بھاگے پھرنے کے لیے بھی اس کے پاس جگہ نہیں رہی تھی، زینے کے اوپر آخری کنارے پر سکڑ کر چوزے کی طرح بیٹھے جھرجھری سی کپکپی طاری تھی...... اس کے پاس جھک کر پیشانی کو زمین پر جھکانے تک کی جگہ بھی نہیں تھی...... یہ جگہ اس نے چھوڑی ہی کہاں تھی...... یہ جگہ تو وہ خود ہی چاٹ بیٹھا تھا۔

☆☆☆

وہ امریکا آگئے...... چچا، چچی چھ سال کے اندر آگے پیچھے وفات پاگئے۔ گھر کو صاعقہ اور اجمل نے باہمی مشورے سے فروخت کردیا اور...... مبشرہ، مبشرہ کو بے آسرا لوگوں کے مرکز چھوڑ آئے۔

☆☆☆

اجمل جلیل نے اذیت ناک چیخ ماری...... اس کا تن بدن آگ کی تپش سے جھلس رہا تھا...... آگ نے اسے آن پکڑا تھا...... اس نے لگاتار اذیت ناک چیخیں ماریں اور پھر ہوش سے بیگانہ ہوگیا۔

ڈاکٹر خرم کی آنکھوں پر شک کی ایسی سیاہ پٹی بندھی کہ انہوں نے مبشرہ کو جیتے جی مار ڈالا...... اور یہ پٹی بڑے طریقے سے اجمل نے باندھی جس کی چیخیں آج تہ خانے سے باہر نہیں جا پارہی تھیں۔

صاعقہ کو شادی میں ایک خاتون کے گلے میں قیمتی ہار دیکھ کر یاد آیا کہ وہ اپنا قیمتی ہار پہن کر آنا ہی بھول گئی ہے...... اس نے بیٹے احمد کی منت کی کہ وہ گھر جا کر اس کی ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا ہار لے آئے...... احمد گھر آیا، اپنی چابی سے دروازہ کھولا لاؤنج سے گزر کر بیڈ روم میں جا کر ہار اٹھایا تو اس نے محسوس کیا باپ کہیں نظر نہیں آرہا...... اس کا خیال تھا باپ باتھ روم میں ہوگا...... اس نے باتھ روم دیکھا، لاؤنج میں آیا...... کچن میں گیا...... پھر آوازیں دیں...... پھر وہ تہ خانے کی طرف آیا کہ وہاں سے وہ اپنا پسندیدہ مشروب نکال کر پیا کرتا تھا۔ تہ خانے کے راستے کی طرف آتے ہی اسے اندازہ ہوگیا کہ کچھ جل رہا ہے۔ چابی کی ہول میں لگی ہوئی تھی...... اس نے جیسے ہی دروازہ کھولا اسے ڈھیر بنا باپ اور شعلوں سے بھڑکتا تہ خانہ ملا...... اجمل جلیل کو ابھی کچھ اور سہنا تھا وہ جھلسا تو ضرور مگر بچ گیا۔ کئی دن اسپتال میں رہنے کے بعد جب وہ گھر آیا تو صاعقہ کو پاکستان فون کرنے کے لیے کہا۔

"میری ابھی مبشرہ سے بات کراؤ...... احمد تم میری سیٹ کروادو...... مجھے پاکستان جانا ہے فوراً جلدی کرو۔" تینوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ پاکستان سے فون آچکا تھا۔ کچھ ہی دیر پہلے...... مبشرہ جل کر مر چکی تھی۔ وہ مرکز کے کچن میں کام کر رہی تھی جبھی اس کی چادر نے آگ پکڑ لی تھی پھر اس کے کپڑوں نے آگ پکڑ لی اور پھر اس کے وجود نے...... جدائی و نفرت کی آگ جو اس کے اندر بھڑک رہی تھی اس کے آگے اس آگ کی اسے ذرا پروا نہیں ہوئی...... اس وقت لوگوں نے جانا کہ وہ کتنی غائب دماغ رہتی تھی...... اتنی کہ اس نے ایک چیخ بھی نہ ماری...... اس کا جسم جلتا رہا...... اور جل کر راکھ ہوگیا...... آخری سانسوں کے دوران بھی کسی نے اس کے منہ سے ایک آہ...... ایک سسکی نہ سنی...... جو تمام عمر ماتم کناں رہی تھی وہ دنیا سے جانے پر آہ بھی نہیں کرسکی تھی۔ جل اور مر تو وہ بہت پہلے ہی گئی تھی...... اب تو صرف ایک ظاہری طور پر رسم ادا ہوئی تھی۔

صاعقہ نے اسے بتادیا...... اور وہ کئی لمحے صاعقہ کو دیکھتا رہا...... اور پھر...... پھر...... وہ گھر کی ایک، ایک چیز کو آگ لگانے بڑھا...... اسے قابو میں رکھنے کے لیے سکون آور ادویات دی جانے لگیں...... ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ وہ اتنے قریب سے آگ کو دیکھ کر اپنا دماغی توازن کھو بیٹھا ہے۔

اسے آگ سے اتنی محبت ہوگئی کہ وہ ہر، ہر چیز کو جلتے دیکھنا چاہتا تھا۔ جلا ڈالنا چاہتا تھا...... جو سب اس نے اکٹھا کیا تھا اس سب کو...... سب آگ ہی تو اکٹھی کی تھی ناں اس نے...... پھر اسے سکون آور انجکشن لگائے جانے لگے...... وہ کسی کے قابو میں نہ آتا...... بالآخر اسے خاص اسپتال منتقل کردیا گیا کہ وہ کوئی بڑا نقصان نہ کر بیٹھے۔

اب پاگل خانے میں وہ "سب آگ ہے، یہ آگ ہے، تو آگ ہے، ہم آگ ہیں۔" جیسے جملے چیختا چلّاتا ہوا پایا جاتا...... یہی انتہائے مرض ہے...... یا نہیں ابھی تو جہنم...... کی آگ بھی اسے سہنی ہے۔